سرائیکی افسانے میں علامت نگاری کی روایت

ڈاکٹر سید صفدر حسین، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور
ایاز احمد رند، طالب علم ایم فل، شعبہ سرائیکی، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

Abstract

In Pakistan, symbolism emerged in 1958 during the Marshal law Period. In the first decade of 1970, it introduced new topics in short stories. The writers highlighted the political oppression and pressure of dictatorship through symbolism. In Saraiki literature, symbolic short stories contain the different topics such as oppression, deprivation, injustice, revolt against feudalism extortion etc. In number of short stories the colour of abstraction is quite visible rather than symbolism. The symbols which have been elaborated in Saraiki short stories purely belong to Saraiki culture and landscape.

سرائیکی افسانے میں علامت نگاری کی ابتداء کے بارے میں بات کرنے سے پہلے اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ علامت کیا ہے اور اس کے استعمال کی وجہ تسمیہ کیا ہے اور سرائیکی میں علامتیں کب شروع ہوئیں اور سرائیکی افسانے میں اس کا وجود کب سے شروع ہوا؟

علامت کیا ہے؟

لفظ سمبل (symbol) جس کیلئے اب اردو میں علامت کی اصطلاح مان لی گئی ہے۔ یہ یونانی لفظ (symbolin) سے نکلا ہے اور یہ دو الفاظوں (sym) اور (bolon) کا مرکب ہے۔ پہلے لفظ کا مفہوم، ساتھ ، اور دوسرے لفظ کا مفہوم (پھینکا ہوا) چنانچہ پورے لفظ کا مفہوم جسے ساتھ پھینکا گیا ہو۔ اصل یونانی مفہوم میں اس کا استعمال کچھ یوں تھا کہ دو فریق کوئی چیز (مثلاً چھڑی یا سکہ) توڑ لیتے تھے اور بعد میں ان ٹکڑوں کو دونوں فریقوں کے درمیان کسی معاہدے کی شناخت کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ تجارت کرنے والوں میں بھی اس طرح کی چیزیں کسی تجارتی معاہدے کی شناخت اور خرید و فروخت کی اشیاء کی تعداد کا تعین کرنے کیلئے استعمال ہوتی تھیں۔ اس طرح (سمبل) کا

مطلب ہوا کسی چیز کا کا ٹکڑا جسے جب دوسرے ٹکڑے کے ساتھ رکھا جائے یا ملایا جائے تو وہ اصل مفہوم کو زندہ کر دے یا پھر یاد دلا دے کہ یہ اس کا شناختی نشان ہے۔[۱]

علامت ادیب اور شاعر کیلئے اظہار کا ذریعہ اور قاری کے لیئے ادراک کا وسیلہ ہے۔ اگر چہ ادب کی طرح علامت کے کوئی حتمی معنی تا حال متعین نہیں ہو سکے تاہم دنیا بھر کے ادب میں اس کے وضعی اور غیر وضعی معانی میں فرق رہا ہے اور یہ فرق ابھی تک اسی طرح ہے لیکن اس کے باوجود اس اصطلاح کے ذہن میں آتے ہی ایک معنی بہر حال متعین ہو جاتا ہے ہمارے ہاں علامت symbol اور علامتیت symbolism کے مترادف کے طور پر استعمال ہوتی ہے

انسائیکلو پیڈیا برٹیکا میں لفظ علامت کے بارے میں جو بات کی گئی ہے۔

"The word symbol comes from the Greek "sybolism" which means contract, token insignia and a mean of identification."[۲]

اس اقتباس کے مطابق یہ لفظ یونانی سے انگریزی اور انگریزی سے باقی دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر مستعمل ہوا ہے یا پھر جوں کا توں لیا گیا ہے۔ تاہم اس کے وضعی معنی بھی اپنی مادری زبان میں کثیر الجہات ہیں۔

علامتی افسانے کو سمجھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہمیں اس کے بارے میں ان آراء پر نظر ڈالنی چاہیے جن میں علامت اور علامتیت کے نظام کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علامت کے بارے میں اردو سکالرز کی رائے کا ایک جائزہ۔

فیض احمد فیض اپنی تصنیف میزان میں لکھتے ہیں

علامت سے ہم ایسے استعارے مراد لیتے ہیں جن کو شعراء اپنے بنیادی تصورات کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اکبر نے مغرب کے معاشرتی اداروں کے لئے جو علامتیں وضع کیں مس، صاحب، ہوٹل، وغیرہ ان میں کسی کے معنی ہیں بے دینی، بے حیائی اور کسی کے معنی ہیں گھریلو زندگی سے بے تعلقی وغیرہ۔ اقبال کی بھی مرکزی علامت عشق ہے جس سے وہ جنسی کشش نہیں بلکہ ایک ایسا خداداد اور اضطراری جذبہ مراد لیتا ہے جو انسانوں کو سماجی اور اخلاقی ارتقاء کے لئے برقرار رکھتا ہے۔[۳]

اور اس بارے میں ممتاز حسین لکھتے ہیں۔

مغرب والے اس لفظ (سمبل) کو ڈھیلے ڈھالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ کہیں پر وہ اس کو نشان (sign) کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اور کہیں استعارے کے معنی میں جو لوگ اسے (sign) اور استعارے دونوں سے ممتاز کرتے ہیں وہ بھی اس کے معنی کے تعین میں صاف ذہن نہیں رکھتے مثلا اربن سمبل (علامت) کو استعارے ہی کی شکل مانتے ہوئے اس کو استعارے سے ممتاز بھی کرتا ہے اور اسکا خیال یہ ہے کہ سمبل ایک غیر مصورانہ استعارہ ہے۔[۴] ڈاکٹر سید عبداللہ نے علامت کے بارے میں کہا ہے۔

کہ خاص شئے کو ذہن میں اس صورت سے منقش کیا جائے کہ وہ خود آنکھوں کے سامنے نا ہو لیکن کسی اور چیز کے ساتھ اس کے تشابہ وتجانس کے ذریعے نقش مطلوب ذہن میں پیدا ہو جاتے ہیں ۔۵

علامت کے بارے میں سرائیکی نقاد اسلم رسولپوری کہتے ہیں۔

ادب میں علامت کا استعمال تقریباً دنیا کے ہر خطے میں شروع سے رہا ہے علامتیں بعض اوقات اپنے خیالات اور نظریات کو پردے میں رکھنے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں ۔۶

کیسرر (casrier) کے خیال میں۔

علامت سازی ہماری فطری فعلیت ہے۔انسان ایک علامتی جانور ہے جس کی زبان مذہب اور علوم و فنون علامتی قوتیں ہیں ۔۷

سوسین کےلینگر (Susan k langer) نے اپنی کتاب philaosphy in a new key مین انسان کے اس بنیادی رجحان کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علامت متعین کرنے کا تقاضا انسان کا بنیادی تقاضا ہے۔کھانے پینے دیکھنے اور چلنے کی طرح علامت سازی کا عمل بھی انسان کے بنیادی عملوں میں سے ایک عمل ہے۔۸

ولبر مارشل اربن (Wilbur marshal urban) علامت کا ایک اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علامت کسی دوسری چیز کا متبادل ہوتی ہے اپنی اصل میں یہ ظاہر سامنے کی چیز نہیں بلکہ اس سے کوئی اور چیز ہے علامت کا مفہوم مختصر عمل ہے اس کا وضاحتی اشارہ نہیں ملتا۔۹

ایڈمنڈ ولسن (Edmund wilson) نے بھی علامت کے پیچیدہ ہونے کے رجحان پر زور دیا ہے۔

علامت استعاروں کے مجموعے کے ذریعے منفرد اور ذاتی محسوسات کی ترسیل کے لئے خیالات کا ایک پیچیدہ تلازمہ ہے۔۱۰

علامت .... تعلق،تلازمے،روایت،یا اتفاقی متشابہت کی شکل میں سے کسی دوسری چیز کی نمائندگی یا اس کی طرف اشارہ کرتی ہے خاص طور پر کسی غیر مرئی شئے جیسا کہ خیال صفت یا کسی خیال کا مرئی نشان ہوتی ہے۔۱۱

علامت کے بارے میں کالرج کہتا ہے۔

علامت سے میری مراد استعارہ یا تمثیل یا کوئی اور صفت بیان یا محض واہمے کی صورت نہیں بلکہ جس گل کی وہ نمائندگی کرتی ہے اس کا ایک اصلی اور لازمی جزو ہے۔۱۲

ایم ایچ ابرامز (M.H.Abrams) کے خیال میں ہر لفظ علامت ہے تنقید ادب میں عام طور پر علامت سے مراد وہ لفظ ہے جو کسی شئے کے معنی خیز ہونے کی دلالت کرے۔یعنی جس شئے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ شئے اپنے اندر معنویت کا ایک تانا بانا رکھتی ہے۔۱۳

علامت ایک قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے۔ہبوط آدم سے بھی پہلے علامت نے اس وقت کام شروع کر دیا

تھا جب تخلیق کے بعد انسان کو شجر ممنوعہ اور ناگ جیسی علامتوں سے واسطہ پڑا تھا۔ چنانچہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ علامت انسان کے ساتھ ہی زمین پر اتری تھی اور بدستور اس کے ساتھ ہے علامتیت ایک مکمل نظام ہے جس کے کئی اجزاء اور متبادل اصطلاحات ہیں۔ اب ایک نظر لغات پر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ لغات میں اس کے کیا معنی ہیں۔

فرہنگ آصفیہ۔علامت (ع۔اسم۔موئنث) نشان، کھوج، سراغ، اشارہ، کنایہ، لچھن، mark مہرے آثار۔

علمی اردو لغات۔علامت۔نشان، داغ، نقش، آثار، میل کا پتھر، دلیل، مظہر، پہچان۔

فیروز الغات۔علامت۔۔نشان، مارک، کھوج، اشارہ، کنایہ، آثار۔

فرہنگ عامرہ۔علامت۔۔نشان، پتہ۔

نور للغات۔علامت۔۔عب۔۔نشان، پہچان، مہر۔

فرہنگ تلفظ۔علامت۔۔فت ع م، نشانی، ٹھپہ، پہچان، اثر، اوپری دلیل، بھید بنانے، پتہ دینے والی شئے۔

نا صرف درج بالا معتبر لغات بلکہ تمام دوسری لغات مین بھی انہیں معنی کو دہرایا گیا ہے۔ جبکہ ان معنی و مفہوم مین ایک لفظ بھی قطعیت کے ساتھ علامت کا احاطہ نہین کرتا۔ ان لغات میں علامت کے وہی معنی دیے گئے ہیں جو عربی میں مستعمل ہیں۔ جس کا سلسلہ نسب (مادہ) قدیم عربی گرائمر ہے جدید عربی ادبیات نہیں۔[۱۴]

علامت کی ان تمام تعریفوں کی روشنی میں جو مشترکہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علامت نمائندگی کا ایک طریقہ ہے یہ کسی چیز کی متبادل ہوتی ہے اور کسی دوسری چیز کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس میں جو چیز ظاہر کی جاتی ہے اس سے معنی کچھ اور لیے جاتے ہیں۔ یہ غیر مرئی شئے کا مرئی نشان ہوتی ہے اور جس کل کی نمائندگی کرتی ہے اس کا اصلی اور لازمی جزو ہوتی ہے۔ اس میں جذبات وخیالات کا براہ راست ذکر نہیں ہوتا بلکہ ان تصورات کی نقش گری بالواسطہ عوامل وعناصر کے ذریعے کی جاتی ہے۔

ساٹھ کی دہائی میں جب جدیدیت کی لہر ابھری تب یہ واقعہ محض ہوا میں رونما ہوا اس دور میں ادب کے جو نئے رویے پیدا ہوئے انہوں نے افسانوں کی بھی ایک نئی شکل پیدا کرنے میں مدد دی اور اسے پھلنے پھولنے کے مواقع گردوپیش کے حالات نے پیدا کر دیے۔

ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں۔

۱۹۵۷ء کے بعد جو مخصوص سیاسی صورتحال تھی اس کے نتیجے میں خارجی حقیقت نگاری کا تصور اور اس پر مبنی اسلوب خطرناک ثابت ہوسکتا تھا اب تقاضا افشاء کا نہیں بلکہ افضاء کا تھا۔ انہیں حالات میں علامت نے اور استعارے نے ڈانواں ڈول افسانے کا ہاتھ پکڑا اور اسے سہارا دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں علامت اور استعارے نے افسانے کو معنویت کی نئی شاہراہوں سے آگاہ کیا اور یہ علامت اور استعارہ محض عناصر اسلوب سے بڑھ کر اظہار اور ابلاغ کے اہم ترین ذرائع میں تبدیل ہو گئے۔[۱۵]

نیا ادب ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے زمانے میں پیدا ہوا اور یقیناً بنیادی حقوق پر پابندی خصوصاً آزادی اظہار میں رکاوٹ نے بھی حقیقت نگاری کے اسلوب کو ناکام بنا دیا اور علامت نگاری کو ہوا دی لیکن صحیح معنوں میں افسانے پر جو اثرات مرتب ہوئے وہ ایوب خاں کے دور مین مارشل لاء کے دوران جب اقتصادی و جمہوری اازادی کے لئے آواز اٹھانے کا عمل شروع ہوا ان واقعات نے اثر قبول کیا انصاف اور خوش آئندہ مستقبل کے خوابوں کا ذکر تسلسل ہونے لگا لیکن ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کا قیام عمل میں آیا تب ان واقعات نے تخلیقی ذہن کو ایک نئے المیے سے دوچار کیا بنگلہ دیش کا قیام پاکستان پر ایک ضرب تھی۔ وہ تصورات جن کے ذکر سے پاکستان کا تذکرہ ہوا تھا اس قیام بنگلہ دیش نے نئی صورتوں سے دوچار کر دیا تو اس وجہ سے یہاں پر قومی سطح پر عدم تشخص کا سوال کھڑا ہو گیا یعنی یہ کہ ہمارے ملک کا نظریہ کیا ہے؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ اس کی شناخت کیا ہے؟ اور یہ خدشہ کہ یہ بچا کچا ملک برقرار رہ سکے گا یا نہیں یہ سنجیدہ سوالات تھے جن کو افسانے نے قبول کیا اور اس طرح ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس کے موضوعات میں اضافہ ہو گیا اس دور میں جب افسانہ نگاروں نے نئی صنعتی تہذیب کے خلاف جب اپنے ردعمل کا اظہار کیا اور سیاسی جبریت اور آمریت کے دباؤ کو محسوس کیا تب ان کی ذات اور شخصیت ریزہ ریزہ ہو گئی۔ وہ فقط معاشرے میں ہی نہیں بلکہ کائنات میں بھی اپنے مقام کا تعین چاہتے تھے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی اپنے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ سنگین صورتحال لے کر آئی۔ اس طرح ایک طرف تو ذات کے مسائل تھے جو افسانے کا حصہ بنے ہوئے تھے اور دوسری طرف قومی تشخص کا سوال تھا۔ ہزیمت، استحصال، افراتفری، اور نفسانفسی نے افسانے کے پیرہن پر نئے نئے گل بوٹے سجا دیے۔ یہ گل بوٹے مختلف منطبق مین تقسیم کی ہوئی ذات نے پیدا کیے تھے۔

کہا جا سکتا ہے کہ نئے افسانے کا سفر ایک غیر مطمئن آدمی کا سفر تھا۔ جس کے خواب شکستہ تھے شخصیت تقسیم شدہ تھی۔ پرانی اقدار زنگ آلود ہو چکی تھی۔ نئی پہچان نظر نہین آ رہی تھی۔ وہ عناصر جن کا اثر افسانے پر اس طرح پڑا کہ نئی نئی علامتین وضع ہونے لگیں۔ کردارون کے چہرے مسخ ہو گئے۔ اکثر افسانوں میں کرداروں کے نام ہی نظر نہیں آتے تھے۔ پھر واحد متکلم کہیں، وہ اور کہیں، میں، جیسے لفظ استعمال ہونا شروع ہو گئے۔ پھر، الف، ب، ج جیسی علامتیں۔ [۱۶]

اس ساری بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ۶۰ء کی دہائی میں جب جدیدیت کی لہر ابھری اور یہ واقعہ محض ہوا مین رونما نہیں ہوا بلکہ اس کا ایک مکمل پس منظر ہے۔ ترقی پسند تحریک کا کھردراپن، تہذیبی و معاشرتی اقدار کا بکھراؤ، صنعتوں کا احیاء دیہاتوں سے شہروں کو انسانی ہجوم کا بہاؤ۔ اسکے علاوہ ترقی پسند تحریک کے سبب کے ساتھ عالمی سطح پر وقوع پذیر ہونے والی ادبی تحریکیں علوم اور نظریات کی آمد بھی ایک سبب ہے۔ جو ایک نئے منظر کا پیش خیمہ ہے۔ جدیدیت کی تحریک ان نئے سماجی اور سیاسی اقدار کے دباؤ کے سبب ابھرتی نظر آ رہی تھی۔ نئے حقائق نے انسانی ذات پر جو دباؤ پیدا کیے تھے ان کا اظہار حقیقت نگاری سے ممکن نہیں تھا۔ نئے لسانی تشکیلات کے دعویدار اس لئے ایسی زبان کی ضرورت محسوس کرنے لگے جو ذات کے خلجان کو بیان کر سکتی ہو۔ اس طرح علامت کو سامنے آنے کا موقع مل گیا جوں جوں صورتحال گھمبیر ہوتی گئی علامت نگاری کا دائرہ بھی وسیع ہونے لگا۔ ان سارے مسائل کے اثرات نے نا صرف

اردو افسانہ نگاروں کو متاثر کیا بلکہ پاکستان کی دوسری زبانوں کے افسانہ نگاروں پر بھی اثرات ڈالے بالخصوص جنوبی پنجاب کے سرائیکی خطے پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ یہاں پر باقی تمام مسائل کے ساتھ ساتھ وڈیرہ ازم بھی موجود تھی جس کی وجہ سے سرائیکی خطہ زیادہ تنزلی کا شکار تھا اس کے برعکس یہاں کے سرائیکی افسانہ نگاروں نے ان تمام تر مسائل کو اپنی زبان سرائیکی میں علامتی انداز سے بیان کیا ۔اور یہ علامت دوسری زبانوں کی طرح سرائیکی میں بھی استعمال ہونا شروع ہوگئی۔

سرائیکی زبان میں علامتیں سب سے پہلے سرائیکی شاعری میں استعمال کی گئیں ۔تقریباً بڑے بڑے سبھی شعراء نے مثلاً سچل سرمست، بیدل سندھی، خواجہ جمال، خواجہ فرید، اللہ بخش عارض، پرجوش وغیرہ نے اپنے اپنے کلام میں علامتوں کو بھرپور طریقے سے استعمال کیا۔

علامتوں کو استعمال کرنے والے تقریباً تمام شعراء تصوف کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے صوفیانہ نظریات کو علامتی انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا۔ بہت سے صوفیاءکرام کے کلام میں ہیر اور سسی طلب حق کی علامت کے طور پر پیش کی گئی اور رانجھا اور پنوں کو مطلوب اور محبوب کی صورت میں ظاہر کیا گیا جیسا کہ جوگی، کھیڑا، چرخا، کھیر، مکھن، مٹی، مدھانی، جاگ لاون اور پیکے گھر کو اس مادی دنیا اور سسرال کو اگلی دنیا کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا۔

سیاسی جبر اور تشدد کی وجہ سے جو علامتیں تخلیق ہوئیں ان میں، اندھیرا، سوجھلا، بہار، خزاں، رت اور کئی مثالیں شامل ہیں۔نئی علامتوں میں، ہوا، برف، سجھ، رات، پکھی اور جگنو وغیرہ مستعمل ہوتی رہی ہیں۔زیادہ تر یہ علامتیں صوفی شعراء نے اپنے کلام میں استعمال کیں۔ان کے اثرات نا صرف سرائیکی شاعری پر پڑے بلکہ سرائیکی کی دوسری اصناف پر بھی پڑے۔[۱۷]

سرائیکی افسانے میں علامت نگاری کی روایت

اگر سرائیکی افسانے میں علامت نگاری کی روایت پر بات کی جائے تو اس حوالے سے کسی ادیب یا دانشور کا کوئی تحریری مواد دستیاب نہیں جس میں اس بات پر بحث کی گئی ہو کہ سرائیکی افسانے میں سب سے پہلے علامت نگاری کس افسانہ نگار نے استعمال کی اگر زمانی حوالے سے دیکھا جائے تو ہمیں سب سے پہلے جو علامتی افسانوی مجموعہ ملتا ہے وہ، جاگدی اکھ دا خواب، ہے۔ جسے پروفیسر عامر فہیم نے ۱۹۷۸ء میں لکھا ہے اور ان کے بعد باقی افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں علامتوں کوں استعمال کیا۔

عامر فہیم کے بارے میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کہتے ہیں۔

عامر فہیم سرائیکی کا ایسا افسانہ نگار ہے جسے Trend maker قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ انہوں نے سرائیکی افسانے میں علامتی اظہار اختیار کر کے افسانے کو ایک نئی راہ پر گامزن کیا اور موضوع اور اسلوب کے تجربے کر

کے ایک نیا راستہ بنایا بھی اور دکھایا بھی۔۱۸؎

جاگدی اکھ دا خواب، ایک ایسی کتاب ہے جس نے سرائیکی ادب مین ایک نئی روایت قائم کی۔ اس میں جو افسانے شامل ہیں ان میں پہلا افسانہ، بشارت ہے، جس میں انہوں نے فتی، پکھو کو مسلمان کی علامت کے طور پر استعمال کیا اور تلاء کو اس مادی دنیا اور تختی کو قرآن مجید اور اس پر جمی ساول کو قرآنی غلیف اور تختی پر لکھی بشارت کو قرآنی آیات کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ افسانہ ہمیں واضح بتاتا ہے کہ کس طرح وقت کی قدر کرنی چاہیے اور ہمیں اس کے مطابق چلنا چاہیے۔ اگر ہمیں ترقی کرنی ہے اپنے مستقبل کو محفوظ کرنا ہے اپنی معیشیت مضبوط کرنی ہے تو اس کیلئے پرانی روایات کو چھوڑ کر جدت کو اپنانا ہوگا اور ہجرت کرنی ہوگی جبکہ اللہ تعالی نے ہمیں ایک ایسا تحفہ عطا کیا ہے جس میں زندگی گزارنے کے پورے اصول موجود ہیں اور ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہے۔ لیکن ہم نے اسے صرف برکت کے طور پر گھر میں رکھا ہوا ہے۔ اس سے مناسب وقت میں استفادہ حاصل نہیں کرتے جب برا وقت آتا ہے تب جا کے اس کے غلیفوں سے مٹی اتارتے ہیں اور اسے اس سے استفادہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ تب وقت گزر گیا ہوتا ہے۔ عامر فہیم کے اس افسانے میں علامتیں انتہائی واضح ہیں اور ہم اسے تجریدی افسانہ نہیں کہہ سکتے۔ یہ خالصتا علامتی افسانہ ہے۔ اسی مجموعے میں موجود عامر فہیم کا دوسرا افسانہ ننگی اکھ تے نیلا کمرہ، ہے۔ اس میں علامتیں کچھ یوں ہیں:

> ''نکا جیہاں ہک کمرہ ہے -----چو پھیر کندھیں تے نیلا رنگ پھریا ہویا ہے -----ہر پاسے سمان وگھریا پئے -----شئیت اتھوں کوئی ونجن آلا ہے -----ڈو بندے سمان بدھیندے پین----ہک کھلیندا پئے-----''۱۹؎

اس افسانے میں جو علامتیں استعمال کی گئیں ہیں وہ، ننگی اکھ، نکا کمرہ، نیلا رنگ، تصویراں کالیاں چٹیاں، ونجن آلا، سمان بدھن آلے، وغیرہ۔ اس افسانے میں افسانہ نگار جو کچھ اپنی ظاہری آنکھ سے دیکھ رہا ہے اسے بیان کر رہا ہے۔ دراصل جو علامت، نکا کمرہ، استعمال کی گئی ہے وہ اس دنیا کی نمائندگی کی جارہی ہے۔ نیلا رنگ اس کائنات کے آسمان کا رنگ ہے۔ کچھ لوگ اپنا سامان کھول رہے ہیں اور کچھ باندھ رہے ہیں جو کھول رہے ہیں وہ اللہ کی تخلیق شدہ نومولود ہیں جو اس دنیا میں آرہے ہیں اور جو باندھ رہے ہیں وہ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں لیکن اپنے ساتھ سامان لے جانے کی سوچ میں ہیں حالانکہ انہیں پتہ بھی ہے اس دنیا سے خالی جانا ہے۔ افسانہ نگار کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اس دنیا میں ہمیشہ دنیاوی سامان بڑھانے کی کوشش میں ہیں۔ عامر فہیم کا یہ افسانہ انتہائی خوبصورت افسانہ ہے مگر کہیں کہیں اس مین علامت کا ابلاغ غیر واضح ہے اور اگر اسے تجریدیت کے زمرے میں ڈالا جائے تو یہ زیادہ خوش آئند ہوگا۔ عامر فہیم کا تیسرا افسانہ، سوجھلا ہے جس میں انہوں نے زیر اور زبر جیسی علامتیں استعمال کی ہیں۔ جو کہ مرد اور عورت کے رشتے کی وضاحت کرتی ہیں کہ اس سوسائٹی میں مرد کس طرح اپنے مفاد کیلئے عورت کا استعمال کرتا ہے۔ اور جب وہ اپنا سب کچھ کھو دیتی ہے اپنا حسن اپنی جوانی تب مرد کس طرح اسے چھوڑ دیتا

ہے۔دراصل افسانہ نگار بتانا یہ چاہتا ہے کہ اس عورت کی جگہ پر مرد کھڑا ہو کے سوچے تب اسے احساس ہوگا کہ عورت کتنی مصیبتیں جھیلتی ہے ساری زندگی بغیر تنخواہ کے فقط روٹی اور کپڑے کے عوض مرد کی غلامی کرتی ہے اس کے بچوں کو پالتی ہے۔اور اس کے تمام خواہشات کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیتی ہے۔اس افسانے میں علامت کا ابلاغ با آسانی ہوتا ہے اور یہ خالص علامتی افسانہ ہے۔اس کے بعد چوتھا افسانہ، اسم اعظم ہے جس مین افسانہ نگار نے معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم کو بڑے بہترین علامتی انداز سے دکھایا ہے۔جیسے

''ہک ڈودے سواسب الف ننگے۔۔۔۔۔کپڑے پاون آلے۔۔۔۔۔لیر کتیر اں پاتی کھڑن

۔۔۔۔۔ہک کھڑا آپنے چٹے کھیر کپڑیں توں۔۔۔۔۔انگل تے انگوٹھے نال۔۔۔۔۔دھوڑ پیا

لہیندے۔۔۔ہک کھڑا۔۔۔۔۔داڑہیں چھیندا ہا۔۔۔۔۔ہک سر تے شہتیر چائی کھڑا ہا

۔۔۔۔۔''[۲۰]

اس میں عام فہیم سفید کپڑوں والے کو زمیندار کی علامت دانے چھٹن والے کو کسان کی علامت شہتیر اٹھانے والے کو مزدور کی علامت کے طور پر دکھا تا ہے۔یہ عام فہیم کا انتہائی خوبصورت علامتی افسانہ ہے جس مین انہوں نے استحصالی طبقے کی علامتی انداز سے وضاحت کی اور یہ افسانہ خالص علامتی افسانہ ہے اس میں تجریدیت کا رنگ دور دور تک نظر نہیں آتا۔پانچواں افسانہ، کندھی دے پروں، میں جو علامتیں استعمال کی گئیں ہیں ان میں کندھی، ساوا گھا، جھمر، واجے وغیرہ ہیں۔اس میں نئی اور پرانی روایات کے بارے میں بتایا گیا کہ جب انسان نئی روایات کو اپنانا چاہتا ہے تب پرانی روایات اس کے پاؤں جکڑ لیتی ہیں۔اور انسان نا ادھر کا رہتا ہے اور نا ادھر کا۔اس افسانے میں کچھ علامتیں ایسی ہیں جن کا ابلاغ ہو جاتا ہے اور کچھ ایسی ہیں جن کا ابلاغ نہیں ہور ہا مطلب یہ افسانہ علامتی اور تجریدی دونوں رنگوں میں رنگا ہوا ہے۔چھٹے افسانے، بزار طوطے تے بڈھڑا، میں ساوے طوطے، گانی والے طوطے اور بڈھڑا، جیسی علامتیں استعمال کی گئیں ہیں۔اور افسانہ، سنجان، میں کبوتر کی علامت کو پیش کر کے اونچی پرواز کی تلقین کی گئی ہے کہ اپنی پہچان بنانے کے لئے انسان کو بہت اونچی پرواز کرنی چاہیے اور اس کے علاوہ مذہبی جبر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ہماری عقیدت واحترام کی جگہ پر کس طرح عصمتوں کی پامالی ہو رہی ہے۔اس مجموعے میں موجود افسانہ، مندری تے رتی بتی، میں متحرک رہنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ حرکت کے بغیر انسان کبھی بھی آگے نہیں بڑھ سکتا جیسے ہی انسان کو موقع ملے وہ حرکت میں آ جائے۔آخری افسانہ، پنجواں زاویہ، میں کرڑی جیسی علامت استعمال کی۔عام فہیم کے تمام افسانے علامتی ہیں اور کہیں کہیں ان میں تجریدیت کا رنگ بھی نمایاں ہے۔نہوں نے اپنے ان تمام افسانوں میں ان تمام استحصالی قوتوں کے بارے میں علامتی حوالے سے بتانے کی کوشش کی کہ کس طرح ہمارے معاشرے میں لوگوں کا معاشی قتل کیا جا رہا ہے اور اس کے علاوہ وڈیرہ ازم نے کس طرح غریب بھولے بھالے لوگوں کا ستیاناس کر رہی ہے۔اور رہی سہی کسر ملاء ازم پوری کر رہی ہے۔جنہوں نے ہمیں مذہبی جبر میں ڈال دیا ہے۔عام فہیم کا پورا مجموعہ سیاسی سماجی اور مذہبی جبر کے خلاف ایک بھرپور احتجاج ہے۔

اس کے علاوہ احسن واہگہ بھی علامتی افسانہ نگار ہے۔اس کی بھی عامر فہیم کی طرح روایت سے کوئی ر شتہ نہیں بنتا اس کے افسانوی مجموعے،تھل کرن دریا ، میں کسی نا کسی طریقے سے عورت ضرور داخل ہے اور انہوں نے عویں نت سے عشق اور محبت کی کہانی کو علامتی انداز میں بیان کر دیا۔۲۱

ان کے مجموعے،تھل کرن دریا، میں دو افسانے خالصتا علامتی افسانے ہیں اور باقی نیم علامتی افسانے ہیں۔انہوں نے افسانے ،موریں دی ٹور، مین جو علامتین استعمال کی ہیں ہاف سیٹ، پھوگ، میلے پٹکے، پھردے سردے وپاری، کے ڈی ،اس افسانے میں افسانہ نگار جھوٹی شان وشوکت کے بارے میں آگاہی دیتا ہے جو لوگ دیہاتوں سے شہروں میں آنے کے بعد اپنے آپ کو معتبر انسان بنا لیتے ہیں یہ کہانی ان لوگوں کے بارے میں ہے۔ اور دوسرے افسانے ،ڈکھیے لوک، میں جو علامتین استعمال کی گئیں ہیں ان میں کوئی، ملک صاحب، زہر ٹھینکے سینکے، کنجری، شکار، گندا پانی، رکھیاں مچھاں بھاءجھئں چہرے، متوازی لائناں، وغیرہ شامل ہیں۔مثلاً:

''گھوڑی ٹری اے۔اوں آپ کنوں سوال کیتے ،ٹردی تے خیر نہیں، بہا کی اے۔ٹرسی سہی کوئی ٹورے تاں ٹرسی۔'' ۲۲

اس میں افسانہ نگار نے اس استحصالی طبقے کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور کچھ کر گزرنے اور اپنی بقاء کی جنگ لڑنے کی بات کی ہے۔ان کے دوسرے مجموعے، ادی واس، میں بھی بیشتر افسانے نیم علامتی ہیں۔ان کے افسانوں میں جہاں جہاں علامت استعمال کی گئی ہے وہاں وہاں اس کا ابلاغ ہو رہا ہے۔

سجاد حیدر پرویز نے بھی بہت سے علامتی افسانے لکھے ہین ان کے بارے میں طاہر تونسوی فرماتے ہیں کہ غلام یاسین فخری لکھتے ہیں سجاد حیدر پرویز نے علامتی اور تجریدی افسانوں کو ایک نیا رنگ دیا اور ایسا لباس پہنایا جو سبز بھی ہے اور وکھرا بھی۔۲۳

ان کے افسانوی مجموعے،سوجھلا اندھاری رات دا، اور،سوچاں دے ویورے، میں بیشتر افسانے علامتی ہیں۔سوجھلا اندھاری رات دا، انسانی اخلاقیات اور حیات کی اعلی علامتی تمثیل کا نمونہ ہے۔اس افسانے میں جو علامتیں استعمال کی گئی ہیں وہ،سوجھلا، اندھارا، سجھ وغیرہ ہیں۔جیسے کہ:

''ڈساہاں میں کون ہاں ـ۔ تے کیا ہاں۔تو سوجھلا ہیں۔ میں سوجھلا ہاں۔ ہاہا۔تو سوجھلا ہیں۔ تے مین اندھیری رات۔میکون تیدی لوڑ ھرہ ویندی ہے۔ تے ہن تیڈ یاں لاٹاں تیڈے وجود کنوں نکل کرائیں میڈے وجود وچ آ گین۔'' ۲۴

اس افسانے میں ہمیں زندگی کی چس رس رواداری حرص ہوس اور ایثار کے رنگ نظر آتے ہیں اس میں سجاد حیدر پرویز نے روایتی علامتیں استعمال کی ہیں جن کا ابلاغ با آسانی ہوتا ہے اس کے علاوہ ان کا افسانوی مجموعے، سوچاں دے ویورے، میں بھی بہت سے افسانے ایسے ہیں جو نیم علامتی ہیں۔

میاں نذیر ایک ایسا افسانہ نگار ہے جو علامتی اور تجریدی انداز رکھتا ہے۔اس نے سرائیکی افسانے کو ایک

نیا علامتی رنگ اسلوب اور فن عطا کیا ہے۔ ان کے مجموعے ،پلر پانی ، کے بہت سے افسانے علامتی ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے ،پلر پانی ، میں موجود افسانہ ،بیکھر ،ایک خالص علامتی افسانہ ہے۔ جس میں انہوں نے ،بیکھر ، پیلے پھل، گاہنے، واڑی، مچھ، بور، جھار، تر ٹی باہنہ ،جیسی علامتیں استعمال کی ہیں۔ جس کی مثال درج ذیل ہے۔

''بیکھر بار دے بکھے ہوندن۔ اونداونج وپار، بارنال ہوندے بوٹیاں نال کینا۔ بیکھر پھلیے بوٹیاں

توں پھل میوے لہیندن تے لدویندن۔ بوٹیاں دالاون، سدھ، سنبھال، مالی داکم اے۔'' ۲۵

اس افسانے میں افسانہ نگار ہمیں ان مادہ پرست لوگوں کی طرف اشارہ کر کے بتاتا ہے جن کو صرف پھل سے مطلب ہوتا ہے۔ ان کے اسی مجموعے کا ایک اور افسانہ ،ننانواں ،بھی علامتی اور تجریدی رنگ رکھتا ہے۔ انہوں نے اس افسانے میں جوننانواں علامت استعمال کی ہے یہ بنیادی طور پر آفت ، ڈر اور طوفان کی علامت ہے۔ اس افسانے میں ہمارے وسیب کے رویے رجحان اور مادہ پرستی کی وجہ سے رشتوں میں اخلاص اور احساس کو ختم ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ان کے افسانے ،پلر پانی ، میں ،پلر ، پانی ،کھمبور کھمبیاں ،من سلوی ، ساون ، چندور کی ،کھوہ وغیرہ جیسی علامتیں مستعمل ہیں۔ اور یہ افسانہ وقت کی قدر اور وقت پر اپنے کاموں کو نپٹانے کا درس دیتا ہے۔ ان کے افسانے ،کوکاف دا واسی ، میں عام اور غریب لوگوں کے ارمانوں اور خواہشات کو علامت بنایا گیا ہے۔ ان کے زیادہ تر افسانوں میں علامت کا ابلاغ ہوتا ہے۔ سوائے چند ایک میں ابلاغ کا مسئلہ ہے۔ بہر حال ان کے افسانوں میں علامت کے ساتھ ساتھ تجریدیت کا ہلکا پھلکا رنگ بھی نمایاں ہے۔

سئیں دلشاد کلانچوی کی رائے میں بتول رحمانی نے بھی علامتی افسانے لکھے ہیں لیکن اس نے ان میں کوئی مشکل پیدا نہیں کی۔ تھوڑی سی سوچ بچار اور فکر کے بعد قاری ان کے اصل مطلب تک با آسانی پہنچ سکتا ہے۔ ان کے علامتی اور بیانیہ دونوں رنگوں کے افسانوں کے مطالعے کے بعد حمید الفت ملغانی نے اس رائے کا اظہار کیا کہ بتول رحمانی کا نام سرائیکی افسانے کی دنیا میں بہت جانا پہچانا ہے۔ ان کے مجموعے سانجھ میں بیس افسانے شامل ہیں جن میں کچھ علامتی افسانے بھی پائے جاتے ہیں۔ ۲۶

ان کے مجموعے ،سانجھ ، میں موجود افسانہ ،ساول ، انتہائی خوبصورت علامتی افسانہ ہے جس میں انہوں نے ،ساول ،شجر کاری ، بوٹا لاون ،مشیت جیسی علامتیں استعمال کیں۔ اس افسانے میں انسان کی معاشی زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہے اور دیہاتی اور شہری زندگی کا بھی موازنہ کیا گیا ہے۔ ان کے اسی افسانوی مجموعے میں افسانہ ، اکھ دا عذاب ،بھی علامتی افسانہ ہے اس میں انسان کے زندہ اور مردہ ہونے کو علامت بنایا گیا ہے اور ہر چیز کے دو رخ دکھائے گئے ہیں جو کچھ حقیقت میں نظر آتا ہے دراصل اس طرح ہوتا نہیں۔ افسانہ ،سوجھلے دا بوتا ،بھی ان کے اسی مجموعے کا افسانہ ہے جس میں ،سوجھلا ، سوجھلے دا بوتا ، وستی ، سوراخ ،جھکی چھت ، روشنی ، کندھی ، کھر دے چوئے ،جیسی علامتیں استعمال کی گئی ہیں اور اس میں سوجھلا علم مقصد اور ترقی کی علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ یہ افسانہ خالصتاً علامتی افسانہ ہے۔ افسانہ ،پھیتہ ،بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔ ان کے افسانوں میں علامت کا ابلاغ ہوتا ہے

اور یہ علامتی افسانے ہیں۔

اس کے علاوہ حبیب فائق ایسا علامتی افسانہ نگار ہے۔ جو کہانی کے فن کو سمجھتا بھی ہے اور کم الفاظ میں اصل کہانی کو بیان کر دیتا ہے۔ علامتی اظہار بیان اور پرانے الفاظوں کی نئی معنویت کہانی میں گنجلک ضرور ڈال دیتی ہے۔ پر سوچ کے دروازے کھولنے کے بعد کہانی کی پرتیں خود بخود کھلنے لگ جاتی ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے، چیڑھیاں گنڈھیں، کے سارے افسانے علامتی اور تجریدی ہیں۔

ان کے اس مجموعے میں موجود پہلا افسانہ، سنج دے ادھراوے، ہے جو کہ علامتی اور تجریدی دونوں رنگ رکھتا ہے۔ جس میں بھاء، پانی، پہاڑ، کھوہ، بندر، کندھ، ولھ، جیسی علامتیں استعمال کی گئیں ہیں مثلاً:

''بھاء تے پانی دی کھیڈ چنگی نہیں ہوندی۔ کھڑا پانی ہم جو بوڑ مریندے۔ واہندا پانی راہ دیاں ساریاں اوجھڑیاں کوں چیر پھاڑتے اگوں ٹپ ویندے۔'' ۲۷

یہ افسانے ہمارے ملک میں بار بار نافذ ہونے والے مارشل لاء کو اجاگر کر رہا ہے ہمارے ملک میں زیادہ دورانیہ استحصالی طبقے کا رہا ہے اور اس دورانیے میں جب بنیادی حقوق میں تعطل ہو جاتا ہے تب عوام بغاوت پر اتر آتی ہے۔ دوسرا افسانہ، سرلتھ، ہے اس مین، اچے ماڑ، اسمان تے کندھاں جیسی علامتیں استعمال کر کیا نسانی احساسات وجذبات کو قید اور روایتوں میں جکڑی تہذیب وثقافت کو بولنے کا موقع دیا گیا۔ تیسرا افسانہ، روہی روپ نویکلے خواب، ہے جس میں خواب، پانی، چپ، روہی، تریہہ، سوجھلا وغیرہ جیسی علامتیں بیان کی گئیں ہیں اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انسان کو اپنا اندر ضرور جگانا چاہیے۔ ہر انسان میں کوئی نا کوئی خاصیت، فن، ضرور ہوتا ہے اور اسے موقع کی مناسبت سے استعمال کرنا چاہیے۔ افسانہ، سیانیاں دی گوٹھ، بھی ان کے مجموعے کا علامتی افسانہ ہے جس میں انہوں نے بڑے چھوٹے کا احترام پیار، اناء، ضد عدم برداشت کے موضوعات پر روشنی ڈالی۔ ان کے مجموعے کے تقریبا سارے افسانے علامت کے ساتھ ساتھ تجریدی ہیں کہیں پر علامت کا ابلاغ ہو رہا ہے اور کہیں پر نہیں ہو رہا اور تجریت کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ لیکن ان کا جو کہانی لکھنے کا فن ہے وہ قابل تحسین ہے۔ ڈاکٹر غزالہ احمدانی کے افسانے میں بھی علامتی رنگ نظر آتا ہے۔ ان کے بارے میں حمید الفت ملغانی فرماتے ہیں۔

ان کا افسانہ، بارود دی خشبو، ان کی کتاب، اج دی ماروی، کا خوبصورت اور اہم ترین افسانہ ہے۔ جس میں انہوں نے علامتی انداز اختیار کرتے ہوئے ساری دنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی داستان بیان کی ہے۔ ۲۸

اس افسانے، بارود دی خشبو، مین انہوں نے جو علامتین استعمال کی ہیں۔ سفید کبوتر، بارود دی خشبو، چڑیاں وغیرہ۔ مثلاً:

''قدیم درسگاہ اتے جدید اسپتال دے درمیانی چوک آلے فوارے دی چوٹی تیں ڈو کبوتر بیٹھے ہن۔ اچانک گولیں دی چلن دی آواز آئی ءاتے بارود دی خوشبو کھنڈ گئی اے ہک کبوتر زخمی تھی کرائیں ڈھ پئے اتے ڈوجھا اڈر گئے۔'' ۲۹

اس افسانے میں موجودہ دور کی دہشت گردی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان ملکوں میں کس طرح اسے ہوا دی جا رہی ہے۔ اور ہمارے دشمن جو ہمارے ملک کا امن تباہ کر رہے ہیں جو یہ دنگے فساد کروا رہے ہیں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس افسانے میں بڑی خوبصورتی سے علامت کا ابلاغ ہو رہا ہے اور یہ خالص علامتی افسانہ ہے۔

اس کے علاوہ محمد اسماعیل احمدانی کا افسانہ، تریکڑا، ایک خوبصورت علامتی افسانہ ہے۔ جس میں واحد متکلم کے حوالے سے بات کی گئی ہے اور اس میں علامتوں کی مدد سے روشنی امید اور نیکی کی اقدار کو نکھار کے دکھایا گیا ہے۔ [۳۰]

اسلم عزیز قریشی کا افسانہ، مینگھ ملہاراں، روہی کی علامت کے ذریعے بہت اچھا افسانہ ہے۔ جو روہی کے علاقے کے باسیوں کی بے بسی کی ترجمانی کرتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد نے بھی علامتی کہانیاں لکھی ہیں ان کا افسانہ، ٹوئی آلی کھوہی، جبر اور ظلم کے خلاف احتجاج کی عمدہ علامتی کہانی ہے۔

عزیز شاہد کا افسانہ، آخری ہڈی، ایک علامتی افسانہ ہے۔ جس میں انسان کے ہاتھ سے انسان کی بے قدری اور اس کی بے بسی کا کھلا ڈھلا اظہار ہے۔ [۳۱]

ادب میں علامت سے مراد ایک ایسی پیشکش ہے جو ذہن کو کسی چیز خیال یا ماورائی خیال کی طرف منتقل کرتی ہو اور معنویت کو بھی ایسی سطح پر سامنے لے آتی ہو جسے عام الفاظ اپنی گرفت میں لے آنے سے قاصر ہوں۔

سوسین کے لینگر نے علامت کی بہترین انداز میں تعریف کی ہے۔

علامت کسی مخصوص شئے کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ اس شئے کے تصور کو ابھارتی ہے۔ ہم جب کبھی کسی شئے کا ذکر کرتے ہیں تب ہمارے سامنے وہ شئے نہیں ہوتی البتہ اس کا تصور ہوتا ہے۔ لہذا علامت شئے کی بجائے اس کے تصور کو پیش کرتی ہے۔ علامت کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے اصلی معنی کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ پوشیدہ رکھتی ہے اور اس کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایک سے زیادہ معنویت ہوتی ہے۔ سرائیکی میں علامت کا استعمال بہت پرانا ہے پہلے سرائیکی شاعری میں مختلف شعراء نے علامتیں استعمال کیں اور سرائیکی افسانے میں علامت کو مارشل لاء کے دوران زیادہ ہوا ملی اور اس نے سرائیکی افسانے میں مستقل طور پر اپنی جگہ بنالی۔ علامتیں دراصل سیاسی معاشی، معاشرتی اور مذہبی جبر اور برائیوں کے خلاف ایک احتجاج تھا۔ اس دور میں سب سے بڑا مسئلہ آزادی رائے کا اظہار تھا اس لئے بیانیہ بات کرنے کی بجائے مختلف افسانہ نگاروں نے علامتوں کا سہارہ لیا اور قاری تک اپنی بات پہچانے کی کوشش کی۔

سرائیکی افسانے میں علامت نگاری کا استعمال ۶۰ء کی دھائی کے بعد شروع ہوا ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء اور ۱۹۷۱ء کا سقوط ڈھاکہ سے بگڑتے ہوئے حالات میں جب سیاسی جبریت اور آمریت کو محسوس کیا گیا تب انسانی ذات بکھر گئی۔ لیکن ۷۰ء کی دہائی اپنے ساتھ پہلے سے بھی زیادہ سنگین صورتحال لے کر آئی اور یہ وہ عناصر تھے جن کا سرائیکی افسانے پر بھی اثر پڑا اور نئی نئی علامتیں وضع ہونے لگیں۔ اور ۱۹۷۸ء میں پہلا علامتی مجموعہ، جاگدی اکھ دا

خواب، چھپ کر سامنے آیا اسے عامر فہیم نے تخلیق کیا ان کے اس مجموعے میں دس افسانے شامل ہیں جن میں بشارت، ننگی اکھ تے نیلا کمرہ، سوجھلا، اسم اعظم، کندھی دے پروں، بزار طوطے تے بڈھڑا، سنجان، عذاب، مندری تے رتی بتی، پنجواں زاویہ اور یہ دس کے دس علامتی افسانے ہیں جن میں سیاسی، سماجی، اور مذہبی جبر کے خلاف بھر پور ردعمل کا اظہار ملتا ہے۔ اور ان کے افسانوں میں سوائے چند ایک تجریدی باقی سب خالص علامتی افسانے ہیں۔ ان کے بعد احسن واہگہ نے اپنے افسانوں میں علامتیں استعمال کیں ان کے افسانوں میں عورت کے مسائل اور استحصالی طبقے کے خلاف آواز اٹھانے کا بھر پور احتجاج ملتا ہے۔ ان کے اکثر افسانے نیم علامتی افسانے ہیں۔ سجاد حیدر پرویز کے کچھ افسانوں میں علامت کا ابلاغ ہوتا ہے۔ اور ان کا موضوع بھی استحصالی قوتوں کے خلاف احتجاج ہے۔

میاں نذیر کے افسانوں میں علامتی اور تجریدی دونوں انداز نمایاں ہیں انہوں نے روہی کے مسائل کو علامتی انداز سے بیان کیا اور معاشرے کی دوسری سماجی برائیوں کو بھی علامتی زبان دے کر بیان کیا۔

بتول رحمانی نے عورت کے مسائل کی علامتی طریقے سے نشاندہی کی اور ان کے موضوعات میں سیاسی سماجی جبر کا ردعمل بھی ملتا ہے ان کے افسانے خالصتاً علامتی افسانے ہیں۔ حبیب فائق کا لہجہ تجریدی اور علامتی دونوں طرح کا ہے انہوں نے بھی بھر پور طریقے سے سماجی سیاسی مذہبی برائیوں کا علامتی اظہار کیا ان کے افسانوں میں بہت زیادہ مشکل علامات استعمال کی گئیں ہیں جن کا ابلاغ میں کافی مسئلہ درپیش ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے افسانے میں علامت کم اور تجریدیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر غزالہ احمدانی، اپنے افسانے، بارود دی خوشبو، میں ساری دنیا کے مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کی داستان علامتی انداز سے بیان کی۔ ان کے افسانے میں علامت کا با آسانی ابلاغ ہوتا ہے اور یہ خالصتا علامتی افسانہ ہے اس کے علاوہ محمد اسماعیل احمدانی اپنے افسانے، تر یکڑا، میں علامتوں کی مدد سے روشنی امید نیکی کی اقدار کو نکھار کے دکھایا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد بھی اپنے افسانے، ٹوئے آلی کھوئی، میں جبر اور ظلم کے خلاف بھر پور علامتی احتجاج کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کے علاوہ عزیز شاہد اپنے افسانے، آخری ہڈی، میں انسان کے ہاتھ انسان کی بے قدری اور بے بسی کو علامتی انداز سے بیان کرتا ہے اور ان کا افسانہ خالص علامتی افسانہ ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ اشتیاق احمد، علامت کے مباحث، (لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء)، ص: ۱۱۳ بحوالہ سرچشمے (علامتوں کی تلاش) ڈاکٹر سہیل احمد

۲۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص: ۳۵۵، بحوالہ دی انسائیکلوپیڈیا برٹیکا والیم ۷، نیو یارک ۱۹۷۶ء

۳۔ ایضاً، ص: ۳۵۸، بحوالہ فیض احمد فیض، میزان، ناشرین منہاس سٹریٹ لاہور، طبع اوّل، ۱۹۶۲ء
۴۔ ایضاً، ص: ۳۵۸۔۳۵۹، بحوالہ ممتاز حسین، ادب اور شعور، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۶۱ء
۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، (لاہور: منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۵
۶۔ اسلم رسولپوری، تلاوڑے، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۷ء)، ص: ۳۲
۷۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، (لاہور: منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۰، بحوالہ ولیم یارک ٹنڈل، دی لٹریری سمبل، نیویارک، ۱۹۵۵ء، ص: ۴
۸۔ سوسین کے لینگر، فلاسفی ان اے نیو کی، (نیویارک: رائٹ اینڈ آرٹ، ۱۹۵۱ء)، ص: ۳۳
۹۔ ولبر مارشل اربن، لینگوئج اینڈ رئیلٹی، (لندن: دی فلاسفی آف لینگوئج اینڈ دی پرنسپل آف سمبلزم، ۱۹۵۱ء)، ص: ۴۲۲
۱۰۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، (لاہور: منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۰، بحوالہ ایڈمنڈ ولسن، ایکسل کیسل، لندن، ۱۹۳۶ء، ص: ۲۱۔۲۲
۱۱۔ ڈبلیو وائے ٹنڈل، دی لٹریسی سمبل، نیویارک ۱۹۵۵ء، ص ۵
۱۲۔ ایضاً، ص: ۳۹
۱۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، (لاہور: منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۷
۱۴۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص: ۳۵۹
۱۵۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور عصری آگہی، مطبوعہ سیپ، کراچی، شمارہ ۴۷
۱۶۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، (اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء)، ص: ۳۵ تا ۳۷
۱۷۔ اسلم رسولپوری، تلاوڑے، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۷ء)، ص: ۳۴۔۳۶
۱۸۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی دے چونویں افسانے، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء)، ص: ۱۸
۱۹۔ عامر فہیم، جاگدی اکھ دا خواب، (ڈیرہ غازیخان: الکمال اشاعتی ادارہ فریدہ آباد، ۱۹۷۸ء)، ص: ۲۳
۲۰۔ ایضاً، ص: ۳۹

۲۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی ادب ریت تے روایت، (ملتان: بیکن بکس، جنوری ۱۹۹۳ء)، ص: ۱۴۱

۲۲۔ احسن واہگہ، تھل کرن دریا، (تونسہ: سوجھل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء)، ص: ۳۶

۲۳۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی دے چونویں افسانے، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء)، ص: ۲۸

۲۴۔ سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر، ہک افسانہ ست زباناں، (مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان، ۱۹۹۲ء)، ص: ۴

۲۵۔ میاں نذیر، پلر پانی، (ملتان: پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ، ۱۹۹۰ء)، ص: ۳۷

۲۶۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی دے چونویں افسانے، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء)، ص: ۲۳

۲۷۔ حبیب فائق، چیڑھیاں گنڈھیں، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء)، ص: ۱۸

۲۸۔ حمید الفت ملغانی، لکھت تے لکھاری، (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۳ء)، ص: ۲۶۶

۲۹۔ غزالہ احمدانی، ڈاکٹر، اج دی ماروی، (ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۰۰ء)، ص: ۱۵

۳۰۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی ادب ریت تے روایت، (ملتان: بیکن بکس، جنوری ۱۹۹۳ء)، ص: ۱۳۹

۳۱۔ ایضاً، ص: ۱۴۲

مآخذ:

۱۔ احسن واہگہ، تھل کرن دریا، تونسہ: سوجھل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء۔

۲۔ اسلم رسولپوری، تلاوڑے، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۸۷ء۔

۳۔ اشتیاق احمد، علامت کے مباحث، لاہور: بیت الحکمت، ۲۰۰۵ء۔

۴۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں علامت نگاری، لاہور: منظور پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۵ء۔

۵۔ حبیب فائق، چیڑھیاں گنڈھیں، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء۔

۶۔ حمید الفت ملغانی، لکھت تے لکھاری، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۲۰۰۳ء۔

۷۔ سجاد حیدر پرویز، ڈاکٹر، ہک افسانہ ست زباناں، مجلس سرائیکی مصنفین پاکستان، ۱۹۹۲ء۔

۸۔ سوسین کے لینگر، فلاسفی ان اے نیو کی، نیو یارک: رائٹ اینڈ آرٹ، ۱۹۵۱ء۔

۹۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی ادب ریت تے روایت، ملتان: بیکن بکس، جنوری ۱۹۹۳ء۔
۱۰۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، سرائیکی دے چونویں افسانے، ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ۱۹۹۸ء۔
۱۱۔ عامر فہیم، جاگدی اکھ دا خواب، ڈیرہ غازیخان: الکمال اشاعتی ادارہ فریدہ آباد، ۱۹۷۸ء۔
۱۲۔ غزالہ احمدانی، ڈاکٹر، اج دی ماروی، ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۰۰ء۔
۱۳۔ فوزیہ اسلم، ڈاکٹر، اُردو افسانے میں اسلوب اور تکنیک کے تجربات، اسلام آباد: پورب اکادمی، ۲۰۰۷ء۔
۱۴۔ میاں نذیر، پلر پانی، ملتان: پاکستان سرائیکی رائٹرز گلڈ، ۱۹۹۰ء۔
۱۵۔ ولبر مارشل اربن، لینگوئج اینڈ رئیلٹی، لندن: دی فلاسفی آف لینگوئج اینڈ دی پرنسپل آف سمبلزم، ۱۹۵۱ء۔

☆☆☆